الحق ماہ نومبر ۸۵ء

قسط ۲

دارالعلوم حقانیہ

منزل بہ منزل

(۳۰ سال قبل)

دارالعلوم حقانیہ کا جلسۂ دستاربندی

۹-۱۰ ر شعبان ۷۴ھ - م ۲۶، ۲۷ رمئی ۵۵ء

دارالعلوم حقانیہ کے شاندار ماضی کو مرتب و مدون کرنے اور اسے ریکارڈ پر لانے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ ایسے تمام مواد، یادداشتوں، تعلیمی رپورٹوں، واردین و صادرین کی تفصیلات بالخصوص دارالعلوم کے ابتدائی دور کے جلسہ ہائے دستاربندی کی روداد جو اس وقت چھپ نہیں سکیں کسی نہ کسی طرح شائع کر کے محفوظ کی جائیں اس غرض کیلئے دارالعلوم کی مفصل تاریخ کی تدوین اور ماہنامہ الحق کی خصوصی اشاعت کے علاوہ فوری طور پر ادارہ الحق نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے مواد کو دارالعلوم کے ریکارڈ سے تلاش کر کے الحق کے ذریعہ محفوظ کیا جائے۔

اس وقت ہمارے سامنے دارالعلوم کے ایک جلسۂ دستاربندی ۱۹۵۵ء کی رپورٹ ہے یہ جلسے اپنی افادیت اور وسعتوں کے حوالے سے دیرپا اثرات کے حامل ہوتے تھے۔ اور ایک عظیم الشان علمی جشن (بقول مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ پیش نظر رپورٹ اس وقت پشاور کے ہفت روزہ البلاغ نے خصوصی شمارہ ۸۰ رجون ۱۹۵۵ء جشن دستاربندی نمبر میں شائع کی تھی۔ اور جسے مولانا سعید الدین صاحب شیرکوٹی نے مرتب کیا تھا جس کی ... بطور پیش خدمت ہے۔

(تیسری نشست) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اجتماع کی تیسری نشست ۲۸ رمئی کو صبح ۸ بجے زیر صدارت حضرت مولانا عبدالحق صاحب آف شیدو شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن اور نظموں کے بعد مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی نے ایک نہایت پرمغز اور عالمانہ تقریر فرمائی۔

مولانا بہاء الحق صاحب قاسمی کی تقریر | جناب صدر، بزرگو، بھائیو، علماء ذوی الاحترام! علماء کے اس اجتماع میں میری لب کشائی بڑی جسارت ہے لیکن چونکہ انہی بزرگوں نے مجھے حکم دیا ہے اس واسطے امتثال امر پر مجبور ہوں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حالات کی ابتری کا ذکر کروں یا اپنے اجتماعی تغافل کا شکوہ کروں لیکن جہاں تک میں سوچ سکا ہوں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اصل بنا ابتری ہمارا تغافل ہے یہ چیزیں دو ہی ہیں۔ حالات بگڑنے سے ہم بگڑے یا ہمارے بگڑنے سے حالات بگڑے۔ میری اپنی رائے یہی ہے کہ ہمارے بدلنے سے حالات بدلتے ہیں یہ ہماری غلطی اور کمزوری تھی کہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بلکہ حالات کی زد میں آ گئے۔ مسلمان تو اگر اپنے مقام پر رہے تو حالات کی اصلاح اس کے ذمے ہے پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حالات نے ہمیں بدل دیا۔

مولانا نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ بیشک ہمارے عہد غلامی میں وہ طریقے پوری طرح سوچ سمجھ کر اختیار کئے گئے جن سے ہماری ذہنیتوں میں تبدیلی واقع کی جائے۔ وہ تدبیریں بروئے کار لائی گئیں جن سے ہم علم حقائق سے ہٹنے پر مجبور ہو جائیں لیکن ہم انہی کمزوریوں کی بنا پر جو ہم میں تاریخی اعتبار سے آنی شروع ہو گئی تھیں۔ ... ان ... سے متاثر ہو گئے۔

مولانا نے کچھ تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد آگے چل کر کہا۔ یہ بھی ایک انگریزی سیاست تھی کہ علماء سے ... کر دیا گیا۔ الزام یہ دھرا گیا کہ علماء علوم حاضرہ سے بیگانہ رکھنا چاہتے ہیں۔ عوام کو یہی پڑھایا گیا کہ تنگ نظر علماء ... ترقی

کے راستے بند کر دینا چاہتے ہیں لیکن یہ محض ایک سیاست تھی جسے حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ آپ نے اسلام کے وسیع زاویہ ہائے نظر کی تفصیل کرنے کے بعد فرمایا۔ "جب یہ شور اٹھ رہا تھا کہ علماء انگریزی تعلیم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس وقت مولانا عبدالحق صاحب مصر حقانی نے سرسید احمد کو یہ پیش کش کی تھی کہ ہم انگریزی تعلیم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن شرط صرف یہ ہے کہ نصاب تعلیم کے اختیارات اور نظم تعلیم ہمارے اختیار میں ہو حکومت کو اس میں دخل نہ ہو۔ لیکن یہ شرط قبول کرنے کے لئے کون تیار ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو برطانوی مقصد تعلیم حاصل ہی نہ ہوتا تھا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ انگریزی تعلیم سے بیگانگی کا علماء پر صرف الزام ہی الزام تھا۔ اسلام علوم کی تحصیل کی خود ترغیب دیتا ہے تو پھر علماء اس کے مخالف کیوں ہوں یہ صرف گاڑی کو انجن سے علیحدہ کرنے کا ایک طریق تھا اور محض اس لئے کہ اسلامی تعلیمات کا چشمہ فیض انہیں علماء سے پھوٹتا ہے اگرچہ غیر اسلامی تسلط نے یہ پوری پوری کوشش کی کہ جس طرح سے بھی ہو سکے قرآنی تعلیمات کو نابود کر دیا جائے۔ درسگاہوں اور خانقاہوں کو مٹا دیا جائے۔ لیکن یہ علماء کا طبقہ بھی بڑا ہی سخت جان ہے کہ اس نے دم نہ توڑا۔

آج یہ حجازی سر ملی لے نہ ریڈیو پر ملے گی نہ کالج میں اور نہ ہی نئے رنگ کے کسی اور حلقے میں بلکہ یہی کچھ بوریہ نشین لوگ ہیں جنہوں نے ان مدبری تانوں کو اپنے دامان تار تار میں چھپا رکھا ہے۔

مولانا بہار الحق صاحب اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میں ایک چیز کو خصوصیت سے کہنا چاہتا ہوں اور مجھے اس تغیر پہ بڑی حیرت ہے کہ آج حکومت، حکام یا صاحب اقتدار طبقہ کے دائرۂ عمل سے فرائض دینی اور دینی قسم کی تمام ذمہ داریوں کو خارج قرار دے دیا جاتا ہے حالانکہ قرآنی تعلیمات بتاتی ہیں۔ الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ

آخر یہاں دینی فرائض کو با اختیار طبقہ کے پروگرام میں شامل نہیں کیا گیا تو کیا ہے؟

مولانا نے اپنی تقریر میں اشتراکیت کے مسئلہ کو بھی زیر بحث لائے اور آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا کے خود ساختہ قوانین امن کیا قائم کریں گے۔ ابتری ہی پھیلاتے ہیں۔ یہ آج جو طبقاتی کشاکش پائی جاتی ہے یہ خود اسی اصلاحی پروگرام کا ایک کھلایا ہوا گل ہے۔ جو اپنے دامن میں خوفناک نتائج لئے ہوئے ہے۔ کم از کم اسلام ایسی کشاکش پیدا نہیں کرتا وہ تفرقہ پردازی کی پالیسی نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ سب تہذیب نو کے نودمیدہ گل ہیں۔

اپنی تقریر کے اختتام کے قریب مولانا بہار الحق صاحب نے خصوصاً علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ موجودہ حالات میں میں آپ سے یہ امید رکھوں گا کہ آپ اپنے راہ عمل میں جھکیں گے نہیں۔ بلکہ استغناء سے کام لیں گے۔ کیونکہ آپ جس چیز کے حامل ہیں۔ اس کے وقار کا یہی مقتضاء ہے۔ اور اسی پر آپ نے اپنی تقریر ختم فرمائی۔

مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی | مولانا بہار الحق صاحب کی تقریر کے بعد مولانا عبدالحنان صاحب نے تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا اس دارالعلوم کی طرف سے جن طلباء کو دستار فضیلت دی گئی ہے یہی فضیلت سب مسلمانوں کے

کی تھی اور اسے ہر فرزند اسلام اپنے لئے بجا طور پر قابل فخر خیال کرتا تھا۔ علم دین کے حصول کے لئے مسلمانوں کے بچے بچے میں تڑپ پائی جاتی تھی اور ہر فرد اس کے لئے اپنی بساط کے بموجب پوری پوری کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج تو یہ ایک نعیب کی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ جیسے نصیب ہو جائے کیونکہ رنگ ہی بالکل بدل گیا ہے معیار ہی بالکل پلٹ گیا ہے اب تو دین کو حاصل کرنے والا کوئی کوئی ہے آپ نے آگے چل کر اپنی تقریر میں فرمایا۔ پہلے تو اصلاح کی ذمہ داری ہر فرد مومن پر تھی۔ لیکن اب تو شاید انہی چند نوجوانوں پر یہ بوجھ آپڑا ہے جنہیں کل اس دارالعلوم سے دستار فضیلت ملی ہے۔

آپ نے ان فارغ التحصیل طلباء کو اس موقعہ پر خصوصاً خطاب کیا۔ اور ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

"اس پگڑی کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر عالم نے تمہیں مثل بلالؓ و ابوبکرؓ و عمرؓ بنا کر تمہیں سطح عالم پر تبلیغ کے لئے منتخب کیا ہے تم دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جاؤ اور دنیا کے ہر کام میں مجسمہ بن کر اسلاف کا نمونہ پیش کرو۔ تم اپنی تعلیمات کو اپنے میں سمو لو کہ لوگ اس سے متاثر ہو کر رہیں گے۔ میں اس بات پر بھی آپ کو زور دوں گا کہ آپ اپنے وقار کو نہیں علم کے وقار کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جبہ سائی اور آستانوں پر پہنچنے سے گریزاں رہیں مسلمان اپنا ایک مقصد رکھتا ہے۔ اس مقصد میں کامیابی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن مقصد کے ناموس پر حرف آنے کو وہ گوارا نہیں کر سکتا۔

اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے مولانا عبدالحنان صاحب نے فرمایا کہ دارالعلوم حقانیہ کی بنا پر بظاہر نظر آج حیرت ہوتی ہے لیکن یہ حیرت کی بات نہیں کیونکہ دین کا کام کرنے والے یہ لوگ جن کے دل میں دنیا کے بھلے کا کام کرنے کی آگ سلگتی رہتی ہے زمانہ کی روش اور حالات کی سازگاری و ناسازگاری کو زیر نظر نہیں لایا کرتے بلکہ یہ اپنی آشیاں بندی سے غرض رکھتے ہیں ؂

مسکن وہیں کہیں، وہیں آشیاں کہیں دو تنکے آڑے نیچے جہاں رکھ دیئے کہیں

آخر میں آپ نے اہل سرحد کی دینی حمیت سے امید رکھتے ہوئے کہا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ سرحدی افراد سرمایہ رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ غیور بھی ہیں مجھے امید ہے کہ وہ اس نیک شوق کو بھی ضرور پورا کریں گے۔

دارالعلوم حقانیہ کے استحکام کی صورت میں ان کے دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے۔

<u>مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری</u> | مولانا عبدالحنان صاحب کے بعد مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری مائیکروفون کے سامنے تشریف لائے۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد اپنی تقریر شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ آج ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اسلامی مدارس قوم و ملک پر ایک بار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک حد تک یہ خیال میرے نزدیک بھی صحیح ہے کہ یہاں کا نکلا ہوا طالب علم نہ وزیر بن سکتا ہے اور نہ امریکی و برطانوی معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔ اور نہ ہی تہذیب کی کسوٹی پر جانچ پرکھ میں کھرا ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن شاید یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ انگریزی عہد حکومت میں جس کے ذریعے یہ رنگ یہاں آیا دو رخی پالیسی استعمال کی جا رہی تھی۔ ایک طرف ہمیں جہاں سیاسی موت کے گھاٹ اتارا جا

رہا تھا وہیں ہم سے معاشرتی اور تہذیبی لحاظ سے ہمارے مذہب کا رنگ اتار کر اپنا رنگ چڑھایا جا رہا تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ علماء اور مدارس جنہیں مخالف ہواؤں نے محدود کر کے مسجدوں، خانقاہوں یا ان سے متصل رہنے دیا ہے، نہ ہوتے تو نہ معلوم ہم کون سی موت مرتے۔ ایک سیدھی سادی بات ہے اگر سمجھ میں آجائے تو کہ اگر ہم ان دینی علمی مراکز سے بدظن ہیں تو چلیئے بدظنی ضرور رکھئے لیکن یہ تو فرمایئے کہ برطانیہ و امریکہ کی نئی تہذیب نے اور اس تہذیب کے بلند بانگ رکھنے والے دعوے داروں نے ہمیں کیا دیا؟ اسلام نے تو ہمیں اخلاق دیئے۔ ہمارے تیرہ سو برس کے قرآن نے تو ہمیں بصیرت بخشی اور علم معرفت دیا۔ لیکن اس نوتراشیدہ یورپین تہذیب و تمدن نے ہمیں کیا دیا؟ یہی نا کہ بداخلاقی اور بدکرداری۔ دنیا کی بھی رسوائی اور آخرت کی بھی۔ آخر کوئی گوشہ تو بتایئے جس میں کچھ تہذیب کی روشنی آتی ہو۔ یوں ظلمتوں ہی کا نام آج کل تہذیب رکھ دیا جائے تو بے شک بجا ہوگا۔

مولانا نے اپنے بیان میں اس چیز پہ کافی زور دیا کہ ہمارا اصل سرمایہ وہی ہے جسے ہم بھلا بیٹھے، لٹا بیٹھے اور اسے اپنے نہاں خانۂ خیال تک میں بھی محفوظ نہ رکھ سکے۔

آگے چل کر آپ نے فرمایا۔ مجھے تو یہ پختہ یقین ہے کہ فتنوں کی زد میں ملت کی غرقابی کے جتنے مواقع بھی آئے ان پہ یہی علماء تھے۔ یہی سیدھے غیر مہذب سمجھے جانے والے انسان تھے جنہوں نے ڈوبتی ملت کو سہارا دے لیا۔ آج چاہے ہم ان سے بدظن ہوں اور چاہے ان سے اینٹھے رہیں۔ اور میں تو یہ کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ آج بھی ہم جس طرح مختلف حالات کو ایک خاص عینک سے دیکھتے ہیں اسی طرح ہم نے ابھی تک اپنے قابلِ احترام علماء اور اپنے علمی مراکز کو بھی خاص زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ جیسے انگریز نے علماء سے بدظن کرنے کے لئے "ملائیت" اور "ملا" کے الفاظ کی ترویج کی تھی اسی طرح ہم بھی انہی الفاظ ان کے اثرات اور جذبہ حقارت کو ابھی تک سنبھالے بیٹھے ہیں اگرچہ آج تو یہ بالکل ہی ایک ناموزوں سی بات ہے آج اسی طرح حسبِ سابق "ملا ازم" کا نام لے کر علماء کے خلاف حقارت پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں اس موقع پر یہ بھی یاد رکھ لینا ہوگا۔ کہ اگر "ملا ازم" قرآن کی تعبیر ہی کو کہا جاتا ہے تو یہ پھیل کر رہے گا، یہ ایک حقیقت ہے جو مٹ نہیں سکتی اسے آج تک دنیا کی کوئی گردش، وقت کا کوئی چکر، حالات کا کوئی رخ اور دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکی اور نہ مٹا سکتی ہے۔ آپ نے پاکستان میں علوم دینیہ کی ترویج اور ان کی قدر کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ امر تو اس مملکت کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ یہاں علوم اسلامی اور اسلامی طور طریقوں کے نمونے پیش کئے جائیں کیونکہ پاکستان کی لبیک تو اسی مطلب اور اسی کا نام لے کر مانگی گئی تھی جو قائداعظم کی جھولی میں قوم کو ملی۔

ایک چیز جس مقصد کے پیش نظر حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے حصول کا انتظام ہی اس کے اقتدار کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

مولانا نور الحسن صاحب نے اپنے بیان میں ارباب اقتدار کو توجہ دلاتے ہوئے کہا:

میں آپ سے یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ریشہ دوانیاں اور فتنے غیر محسوس طریق سے زور پکڑ رہے ہیں جن کے

نتائج میرے خیال کے بموجب یقیناً خطرناک ہیں۔ آج کمیونزم کو ایک بڑا خطرہ تصور کیا جا رہا ہے لیکن اسی طرح کے کئی اور کمیونزم بھی ہیں جو نقصان اور سازشی نوعیت کے اعتبار سے کمیونزم سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں رکھتے میرا کہنا صرف یہ ہے کہ ان کی اہمیت کو آج پوری طرح محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ دانشمندی اسی کا نام ہے کہ دور سے ہوا کا رنگ بھانپ لیا جائے اور یہ بھی کہنا ہی پڑے گا کہ ایک چیز کو خطرناک تسلیم کر لینے سے اس کا خطرہ دور نہیں ہوا کرتا۔ آج جب ہمیں اشتراکیت زور پکڑتی نظر آ رہی ہے۔ صرف ایک ہی چیز اس سیلاب کو روکنے کے لئے مؤثر نظر آتی ہے اور وہ ہے اسلام جسے ہم بھی اپنا کہتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ سٹالین کے کمیونزم کا سیلاب صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے رک سکتا ہے ہمارے موجودہ اندازے کے بموجب حالات کا بگاڑ اسلام سے سدھر سکتا ہے یا کمیونزم بگڑے ہوئے حالات پہ چھا سکتا ہے۔ اس لئے اس عالمگیر فتنے کا علاج اسلام کو عوام پہ پیش کر کے کیجئے۔ کیا یاد نہیں صدیق اکبرؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے لئے پرانا کفن تجویز کیا۔ جب نئے کفن کو کہا گیا تو اسلامی مساوات کے علمبردار نے کہا یہ سب میرے پیچھے رہنے والوں کے لئے ہے۔ یقین رکھئے یہی اہل دنیا کی فلاح اور اطمینان کی صورت ہے ورنہ لاپرواہی اپنا رنگ لایا کرتی ہے۔ اور ہر ایک چیز کو غیر اہم سمجھنا ہی اس کی اہمیت کو بڑھا دیا کرتا ہے

مولانا نور الحسن بخاری نے اپنی تقریر میں وقت کے فتنوں کی پوری تشریح کی۔ ان میں مرزائیت، رفض۔ انکار حدیث جیسے فتنوں کا خصوصاً ذکر کیا۔ آپ نے مرزائیت سے متعلق بہت سے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں نہایت سنجیدگی اور وقت کے تقاضوں کے بموجب آپ کو اور ان حضرات اقتدار کو جو حالات پہ غور کر کے فائدہ بخش نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ یہ کہوں گا کہ یہ مملکت جن حالات کی پیداوار ہے اس کے پیش ہمیں اس کے نیک و بد پہ پوری طرح غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسے محفوظ رکھا جا سکے۔

اسی سلسلے میں آپ نے اہل اختیار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

آخر میں مولانا نور الحسن صاحب نے فرمایا:

آج ایک فتنہ نہیں ہر چہار طرف فتنے ہیں۔ ہوش میں آنے کی ضرورت ہے ورنہ وقت کا چکر سب کو پیس دے گا اسلام کا نور پیش کیجئے۔ اور اس کے حامل وہی ہیں جو بوریوں پہ بیٹھتے ہیں یہ بھی یقین رکھئے انہیں کسی قسم کے اقتدار کی ضرورت نہیں

بلکہ ان کا مقصد صرف اس لائحہ عمل کو دنیا کے سامنے پیش کر دینا ہے جو اہل عالم کی پریشانیوں کا حل رکھتا ہے۔

مولانا نور الحسن صاحب کی تقریر کے بعد مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ نے تقریر فرمائی جس کے بعد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کے فرمانے پر حضرت سید بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین اکوڑہ سے دعا کرائی۔ دعا سے قبل حضرت بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین خانقاہ غوثیہ نے فرمایا مسلمانوں پر اور اہالیان اکوڑہ پر قدرت کا یہ فضل و کرم رہا ہے کہ ہمارا گاؤں ہمیشہ سے علوم دینیہ کا گہوارہ رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی سعادت ہے کہ ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں دارالعلوم حقانیہ قائم ہوا ہے جو صحیح معنوں میں قوم و مذہب اور ملت کی خدمت کر رہا ہے۔

آپ نے آگے چل کر فرمایا میں اہل پاکستان سے عموماً اور اہل سرحد سے خصوصاً اپیل کرتا ہوں کہ اپنے تعاون سے اس دینی ادارے کو نوازیں۔ تاکہ مذہب اسلام کا یہ سچا ادارہ شریعت محمدی کی زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دے سکے۔ ان ارشادات کے بعد حضرت سید صاحب نے دعا فرمائی۔ اور دارالعلوم کے اس پر رونق اور کامیاب اجتماع کی تیسری اور آخری نشست برخاست ہوئی۔

یہ اجتماع اپنے افادی پہلوؤں، پر رونق ہونے اور نظم و نسق کے ہر لحاظ سے پوری طرح کامیاب رہا جس کا تمامتر سہرا کارکنان دارالعلوم، اہالیان اکوڑہ کی انتھک کوششوں اور ان کے اخلاص کے سر ہے۔

ہم اس اجتماع کی کامیابی پر کارکنوں کو مبارک باد پیش کرتے وقت ان کے حسن انتظام کی داد دینا نہیں بھولیں گے۔ کہ ان کے انتظام میں باقاعدگی اور نظم و ضبط پایا جاتا تھا۔ مہمانوں کی کثیر تعداد کے لئے خورد و نوش اور ان کی ضروری آسائش کا پورا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ ہمیں واقعی یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مطبخ کے انتظام میں اڑتالیس کارکن پوری مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

دارالعلوم حقانیہ کے انتظامی پہلوؤں کے سلسلہ میں ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دارالعلوم کی تمام رقومات ڈاک خانہ کے سیونگ بینک میں بلا منافع جمع رہتی ہیں۔ اور دارالعلوم کی طرف سے ہر خواہشمند کو حسابات کی جانچ پڑتال کی اجازت ہے۔

بقیہ: قابل فخر مجاہد

"مادی وسائل کہاں خدا ہماری مدد دشمن ہی کے ہاتھوں کرتا ہے ان کا چھوڑا ہوا اسلحہ ہمیں کام دے جاتا ہے۔ ایک واقعہ سناتے ہوئے نصرت غیبی پر یقین و ایمان کو تازہ کر دیا۔ فرمایا کہ ایک بار فضائیہ نے بمباری کی تھی۔ ایک بڑا بم ہمارے ہاتھ لگا جو صحیح بچ گیا تھا۔ ہمیں طریقہ کھولنے کا معلوم نہ تھا۔ اللہ کا نام لے کر اسے ہم نے آری سے کاٹ دیا۔ اور اس سے دس بارہ دھڑی بارود ہمیں ملا اسکو ہم نے استعمال کیا۔ دیسی بم بنا بنا کر بارود کو کام میں لائے۔ اسی طرح مجاہدین نے ایک اور بم ماہرین سے کھلوایا تو اس میں چھوٹے چھوٹے نو بم اور نکل آئے اور ۵ دھڑی بارود بھی نکل آیا۔"

اب ظہر کی نماز تیار تھی اور میں نے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور کسی دوسری فرصت میں مفصل حالات سنانے کا وعدہ بھی کیا۔